

۱۵

قلعہ احمدگر

۷ اردی سبیر ۱۹۳۲

صدیق کرم

وقت وہی ہے مگر انہوں، وہ چائے نہیں ہے جو طبع شورش پنڈ کو سرستیوں کی اور
مگر عالم آشوب کو آسودگیوں کی دھوٹ دیا کرتی تھی:
پھر ویکھئے اندازِ گلِ افغانی گفار
رکھ دے کوئی پیاتہ صہبا مرے آئے
وہ چینی چائے جس کا عادی تھا، کئی دن ہوئے ختم ہو گئی اور احمدگر اور پوتا کے
بازاروں میں کوئی اس پیس گرانیا یہ آشنا نہیں۔

یک نالہ ستانہ زجائے نہ شنیدیم
﴿۲۷۶﴾

و بیان شود آں شہر کر سے خانہ نہ داروں
محجوراً ہندوستان کی اسی سیاہ پتی کا جوشانہ پتی رہا ہوں ہے تعبیر و تسلیہ کے اس
قادعے کے بوجب کہ:

بر عکس نہندنام زنگی کافورت
﴿۲۷۷﴾

لوگ چائے کے نام سے پکارتے ہیں اور دودھ ڈال کر اس کا گرم شربت بنایا
کرتے ہیں:

ور نامدہ صلاح و فادیم، الخضر
﴿۲۷۸﴾
زین رسم ہا کہ مردم عاقل نہاندہ اندر

اس کا رگہ مودو نیاں کی کوئی عشرت نہیں کہ کسی حضرت سے پورست نہ ہو۔ یہاں زلال صافی کا کوئی جام نہیں بھرا گیا کس لئے کوئوت اپنی تہی میں نہ رکھتا ہو۔ بادہ کا مرانی کے تعاقب میں ہمیشہ خارنا کا ہی لگا رہا اور خشنہ بہار کے پیچے ہمیشہ گریزی خداں کا شیون برپا ہوا۔ ابو الفضل کیا خوب کہہ گیا ہے: قدمے نہ شد کتیں کرد، و مخفیہ نہ شد کوئی برد گردید:

نیکو نہ بود یعنی مرادے یہ کمال
چول صفحہ تمام شد ورق برگردہ ۲۵۰

امید ہے کہ آپ کی "عینہ چائے" کا ذخیرہ جس کا ایک مرتبہ رمضان میں آپ نے ذکر کیا تھا، اس نایابی کی گزند میں محفوظ ہو گا۔

امید کہ چول بندہ بخک مایہ نہ باشی
۲۵۱ سے خوردن ہر روزہ زعادات کرام است۔
معلوم نہیں، کبھی اس مسئلہ کے دلائل و معارف پر بھی آپ کی توجہ مبذول ہوئی
ہے یا نہیں؟ اپنی حالت کیا بیان کروں؟ واقعی یہ ہے کہ وقت کے بہت سے مسائل کی طرح
اس معاملہ میں بھی طبیعت بھی سواد اعظم کے سلک سے تنق نہ ہو گی۔ زمانے کی بے راہ رویوں کا ہمیشہ ماتم کسار رہتا ہے۔

ازال کر بخود یہ غلق گری آرد
۲۵۲ نہی رویم پر رائے کہ کارواں رفتے

چائے کے باب میں ابھائے زمانہ سے میرا الخلاف صرف شاخوں اور چوں کے
معاملہ ہی میں نہیں ہوا کہ مقاہمت کی صورت لکل سکتی بلکہ سرے سے جی میں ہوا یعنی
اختلاف فرع کا نہیں، اصل الاصول کا ہے:

وہن کا ذکر کیا، یاں سرہی غائب ہے گریاں سے ۲۵۳

سب سے پہلا سوال چائے کے بارے میں خود چائے کا پیدا ہوتا ہے۔ میں
چائے کو چائے کے لیے پیدا ہوں، لوگ شکر اور دودھ کے لیے پیدا ہوں۔ میرے لیے وہ
مقاصد میں داخل ہوئی، ان کے لیے وسائل میں۔ غور فرمائیے میرا رخ کس طرف ہے اور
زمانہ کو درجہ رہا ہے؟

۲۵۳) تو دھوئے و ما و قاصہ یار
لکر ہر کس بقدر ہمیں اُوست۔

چائے مجنن کی پیداوار ہے اور جنینوں کی تصریح کے مطابق پندرہ سو برس سے استعمال کی چارہی ہے لیکن وہاں بھی کسی کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں گزرا کہ اس جمیر الطیف کو دودھ کی کشافت سے آلوہ کیا جاسکتا ہے۔ جن جن ملکوں میں مجنن سے ہر اور راست گئی مثلاً روس، ترکستان، ایران، وہاں بھی بھی کسی کو یہ خیال نہیں گزرا مگر ستر جوں صدی میں جب انگریز اس سے آشنا ہوئے تو فہیں معلوم ان لوگوں کو کیا سمجھی، انہوں نے دودھ ملانے کی بدعت ایجاد کی اور چونکہ ہندوستان میں چائے کا رواج انہیں کے ذریعے ہوا، اس لیے یہ بدعت سے یہاں بھی پھیل گئی۔ رفت رفت معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ لوگ چائے میں دودھ ڈالنے کی جگہ دودھ میں چائے ڈالنے لگے۔ ”بنیاد علم در جہاں انداز بود۔ ہر کہ آمد بر اس هر یاد کرد“، تاہم انگریز تو یہ کہہ کر الگ ہو گئے کہ زیادہ دودھ نہیں ڈالنا چاہیے لیکن ان کے ختم فساد نے جو برگ و پار پھیلایا دیئے ہیں، انہیں کون چھاٹ سکتا ہے؟ لوگ چائے کی جگہ ایک طرح کا سیال حلوہ بناتے ہیں۔ کھانے کی جگہ پینے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے چائے پیا ہیں۔ ان نادانوں سے کون کہے کہ:

ہائے کمخت، تو نے پی ہی نہیں۔

پھر ایک بنیادی سوال چائے کی نویت کا بھی ہے اور اس بارے میں بھی ایک عجیب عالمگیر غلط فہمی پھیل گئی ہے۔ کس سے ہجڑیے اور کس کس کو سمجھائیے۔

۲۵۴) روز و شب عربہ باختلن خدا نتوں کرو۔

عام طور پر لوگ ایک خاص طرح کی پتی کو جو ہندوستان اور سیلوں میں پیدا ہوتی ہے سمجھتے ہیں چائے ہے اور پھر اس کی مختلف قسمیں کر کے ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں اور اس ترجیح کے ہارے میں باہم رد و کرد کرتے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے سیلوں کی چائے بہتر ہے، دوسرے کہتا ہے دار جانگ کی بہتر ہے، گویا یہ بھی وہ معاملہ ہوا کہ:

در رو مشت ن شد کس پہ یقین محروم راز

۲۵۵) ہر کے بحسب فہم گمانے دارو۔

حالانکہ ان فریب خود گان رنگ دیو کو کون سمجھائے کہ جس چیز پر جھوڑ ہے ہیں
دوسرا سے چائے ہے ہی نہیں:

(۲۵۶) چوں نہ دیدند حقیقت رو افسانہ زوند گل
در اصل یہ عالمگیر غلطی اس طرح ہوئی کہ انہی میں صدی کے اوائل میں جب
چائے کی ماگ ہر طرف بڑھتی تھی ہندوستان کے بعض اگریز کا شکاروں کو خیال ہوا کہ
سلوان اور ہندوستان کے بلند اور مرطوب مقامات میں چائے کی کاشت کا جگہ پر کریں۔
انہوں نے جنین سے چائے کے پودے مٹکائے اور یہاں کاشت شروع کی۔ یہاں کی مٹی
نے چائے پیدا کرنے سے قاتا کر دیا اگر تقریباً اسی شکل و صورت کی ایک دوسری چیز بھدا کر
دی۔ ان زیاد کاروں نے اسی کا نام چائے رکھ دیا اور اس غرض سے کامی چائے سے ممتاز
رہے، اسے کامی چائے کے نام سے پکارنے لگے:

غلطی ہائے مفہمائی مت پوچھ
لوگ نالے کو رسماں پاندھتے ہیں گا
دنیا جو اس جتو میں تھی کہ کسی نہ کسی طرح یہ جنس کمیاب ارزش ہو، بے سمجھے بوجھے
اسی پر ثبوت پڑی اور پھر گویا پوری نوع انسانی نے اس فریب خود کی پر احتجاج کر لیا۔ اب
آپ ہزار سر پڑتے ہیں تا کون ہے:

ای کی ی کہنے لگے اہل حضرت
کہنیں پرسش داد خواہاں نہیں گا
معاملہ کا سب سے زیادہ در دلگیز پہلو یہ ہے کہ خود میں کے بعض سماں پا شدے
بھی اس عالمگیر فریب کی لپیٹ میں آگئے اور اسی میتھی کو چائے سمجھ کر پینے لگے۔ یہ دنیا پات
ہوئی کہ بد خشائیوں نے لال پتھر کو حل سمجھا اور کشمیر یوں نے رنگی ہوئی گھاس کو زعفران سمجھ کر
اپنی دستاریں رنگتی شروع کر دیں:

(۲۵۷) چوکفر از کعبہ برخیز و کجا ماند مسلمانی ۱۳
نوع انسانی کی اکثریت کے فیصلوں کا ہمیشہ ایسا ہی حال رہا ہے۔ جمعیت بشری
کی یہ فطرت ہے کہ ہمیشہ محل مند آدمی اکاڈ کا ہو گا بھیز بے وقوف ہی کی رہے گی۔ مانے

پڑا نیس گے تو گئے کو خدا مان لیں گے ان کار پڑا نیس گے تو مجھ کو سولی پر چڑھادیں گے۔
حکیم سنائی زندگی بھرا تم کرتا رہا:

گاؤ را دارند پاور در خدائی عامیاں ۱۵۸
روح را پاور نمارند از پیغامبری ۱۵۹

ای لیے عرقائے طریق کو کہنا پڑا:

ان کاری خلق باش، تصدیق پاسد

مشغول بخوبیش باش تو نقش پاسد ۱۶۰

جهیز خلق باش از هفت باطل کرد

ترک تقلید کیر، تحقیق پاسد ۱۶۱

پتو اصول کی بحث ہوئی اب فروع میں آئیے۔ یہاں بھی کوئی گوشہ نہیں جہاں زمین ہمارا ملے۔ سب سے اہم مسئلہ شکر کا ہے۔ مقدار کے لحاظ سے بھی اور نوعیت کے لحاظ سے بھی:

دردا کر طبیب صبری فرماید ۱۶۲
وین نفس حریص شکری پاید ۱۶۳

جہاں تک مقدار کا تعلق ہے اسے میری محرومی سمجھیے یا تلخ کامی، کہ مجھے مٹھاں کے ذوق کا بہت کم حصہ ملا ہے۔ نہ صرف چائے میں بلکہ کسی چیز میں بھی زیادہ مٹھاں گواہ نہیں کر سکتا۔ دنیا کے لیے جو چیز مٹھاں ہوئی، وہی میرے لیے بد مرگی ہو گئی۔ کھانا ہوں تو منہ کا ہر ہجڑا جاتا ہے۔ لوگوں کو جولات مٹھاں میں ملتی ہے، مجھے تک میں ملتی ہے۔ کھانے میں تک پڑا ہو گریں اور چھڑک دوں گا۔ میں صباحت کا نہیں ملاحت کا قاتل ہوں:

وللنَّاسِ فِي مَا يَعْشُونَ مَذَاهِبٌ ۱۶۴
گویا کہہ سکتا ہوں کہ ”اخی یوسف انج وانا الحنف“ کے مقام کالدست شناس

ہوں۔

گرخت دانِ عشقی، خوش بشنو ایں حکایت ۱۶۵

اس حدیث کے تذکرہ نے یاران قصص و موعظی کی وہ خانہ ساز روایت یاد دلادی کہ ”الایمان حلو والمؤمن بحث الحلوی“ ۱۷ تھیں اگر مرد اپنے ایمانی کے محول اور مراتب ایمانی کی بھیل کا سیکی معیار تھا، تو نہیں معلوم ان تھیں دستان فقد حلاوت کا کیا حشر ہونے والا ہے جن کی بھیت حلاوت کی ساری پوچھی چائے کی چند بیانوں سے زیادہ نہیں ہوئی اور ان میں بھی کم شکر پڑی ہوئی، اور پھر اس کم شکر پر بھی تاسف کرنے ہوتی تو بہتر تھا۔ ۱۸ مولا نائل مرحوم کا بہترین شعر یاد آگیا:

دو دل بودن دریں رہخت تر عیسیٰ ست سالک را
﴿۲۶۳﴾
جل جل هست ز کفر خود کر دار دیوئے ایماں ہم ۱۹
بچوں کا محساں کا شوق ضرب المثل ہے، مگر آپ کوں کر تعجب ہو گا کہ میں پچھنے
میں بھی محساں کا شائق نہ تھا۔ میرے ساتھی مجھے چیزیں اکرتے تھے کہ تجھے نہیں کی چیزوں چنانی
چاہیں اور ایک مرتبہ پسی ہوئی تھیاں کھلا بھی دی جیسی۔

ای باعث سے دایہ طبل کو افون دیتی ہے
کرتا ہو جائے لذات آشنا تھیں دوران سے ۲۰
میں نے یہ دیکھ کر کہ محساں کا شائق نہ ہونا تھا سمجھا جاتا ہے، کیونکہ بارہ بکلف
کوشش کی کہ اپنے آپ کو شائق بناؤں مگر ہر مرتبہ ناکام رہا۔ گویا وہی چدر بھان والی بات
ہوئی کہ:

مرادے ست پہ کفر آشنا، کہ چندیں ہار
پہ کعبہ بردم و بازش برہمن آوردم ۲۱
بہر حال یہ تو فکر کی مقدار کا مسئلہ تھا، مگر معاملہ اس پر ختم کہاں ہوتا ہے؟
کوئی نظر نہیں کر جن مختصر گرفت ۲۲
﴿۲۶۴﴾
ایک دوسری سوال اس کی نوعیت کا بھی ہے۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ جو شکر ہر
چیز میں ڈالی جاسکتی ہے، وہی چائے میں بھی ڈالنی چاہیے۔ اس کے لیے کسی خاص شکر کا

۱۷ یعنی ایمان محساں ہے اور جو مومن ہے وہ محساں کو محبوب رکھے گا۔ ۱۸

اہتمام ضروری نہیں۔ چنانچہ باریک دلوں کی دوبارہ ٹھہر جو پہلے جاؤ اور ماریش سے آتی تھی اور اب ہندوستان میں بننے لگی ہے، چائے کے لیے بھی استعمال کی جاتی ہے۔ حالانکہ چائے کا معاملہ دوسری چیزوں سے مختلف واقع ہوا ہے۔ اسے حلے پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ اس کا مزاج اس قد رطیف اور بے نسل ہے کوئی بھی چیز جو خود اسی کی طرح صاف اور رطیف نہ ہو گی فوراً اسے مکدر کر دے گی۔ گویا چائے کا معاملہ بھی وہی ہوا کہ:

شیم صح جو چھو جائے رنگ ہو میلا ۲۹

یہ دوبارہ ٹھہر اگرچہ صاف کیے ہوئے رس سے بُخت ہے مگر پوری طرح صاف نہیں ہوتی۔ اس غرض سے کہ مقدار کم نہ ہو جائے، مفہومی کے آخری مراد چھوڑ دیجے جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ جو نبھی اسے چائے میں ڈالیے معاں کا ذائقہ تاثراً اور لطافت آسودہ ہو جائے گی۔ اگرچہ یہ اثر حال میں پڑتا ہے، تاہم دودھ کے ساتھ پیجئے تو چدائی محسوس نہیں ہوتا، کیونکہ دودھ کے ذائقہ کی گرفتی چائے کے ذائقہ پر غالب آجائی ہے اور کام جمل جاتا ہے، لیکن سادہ چائے پیجئے تو فرا بول اٹھے گی اس کے لیے انکی ٹھہر چائے جو بلور کی طرح بے نسل اور برف کی طرح شفاف ہو۔ اسکی ٹھہر ڈیلوں کی ٹھل میں بھی آتی ہے اور بڑے دلوں کی ٹھل میں بھی۔ میں ہمیشہ بڑے دلوں کی شفاف ٹھہر کام میں لاتا ہوں اور اس سے وہ کام لیتا ہوں جو روز اغالب گلب سے لیا کرتے تھے:

آسودہ ہاد خاطر غالب کہ خوئے اوست

﴿۳۶۶﴾ آ سختن پہ بادہ صافی گلب را ۳۰

میرے لیے ٹھہر کی نویت کا یہ فرق ویسا ہی محسوس اور نمایاں ہوا، جیسا شربت پینے والوں کے لیے تقد اور گز کا فرق ہوا لیکن یہ عجیب صیبیت ہے کہ دوسروں کو کسی طرح بھی محسوس نہیں کر سکتا۔ جس کسی سے کہاں نے یا تو اسے مہالہ پر محول کیا، یا میرا وہم و خل سمجھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو میرے ہی منہ کا مزہ بگزگیا ہے یا دنیا میں کسی کے منہ کا مزہ درست نہیں۔ یہ نہ بھولیے کہ بحث چائے کے تکلفات میں نہیں ہے اس کی لطافت و کیفیت کے ذوق و احساس میں ہے۔ بہت سے لوگ چائے کے لیے صاف ڈلیاں اور موٹی ٹھہر استعمال کرتے ہیں اور بورپ میں تو زیادہ تر ڈلیوں ہی کا رواج ہے، مگر یہ اس لیے نہیں کیا

جاتا کہ چائے کہ ڈالنے کے لیے ضروری چیز ہوئی، بلکہ مخفی ٹکف کے خیال سے کیونکہ اس طرح کی ٹکر بنتا جاتی ہوتی ہے۔ آپ انہیں معمولی ٹکر ڈال کر چائے دے دیجیے، بے غل و غش پلی جائیں گے اور ڈالنے کی وجہ سے نہیں کریں گے۔

ٹکر کے معاملہ میں اگر کسی گروہ کو حقیقت آشنا پایا تو وہ ایرانی ہیں۔ اگرچہ چائے کی نویت کے بارے میں چداں ذی حس نہیں مگر یہ بخداں نے پالیا ہے۔ عراق اور ایران میں عام طور پر یہ بات نظر آتی تھی کہ چائے کے لیے قند کی جگہ میں رجھتے تھے اور اسے معمولی ٹکر پر ترجیح دیتے تھے کیونکہ قند صاف ہوتی ہے اور وہی کام دلتی ہے جو مولے والوں کی ٹکر سے لیا جاتا ہے۔ کہ نہیں سکا کہ اب وہاں کا کیا حال ہے۔

اور اگر ”تعرف الاشیاء باضدادها“ کی بنا پر کہ چائے کے معاملہ میں سب سے زیادہ خیرہ مذاق گروہ کون ہوا؟ تو میں بلا تاثل اگر یہ دن کا نام لوں گا۔ یہ بھی بات ہے کہ یورپ اور امریکہ میں چائے الگستان کی راہ سے گئی اور دنیا میں اس کا عالمی رواج بھی بہت کھما گکر یہ دن بھی کامست پڑ یہ ہے۔ تاہم یہ زندگی ان بے پھر حقیقت حال سے اتنے دور جا پڑے کہ چائے کی حقیقی لطافت و کیفیت کا ذوق انہیں چھوکر بھی نہیں گیا۔ جب اس راہ کے اماموں کا یہ حال ہے تو ان کے مقلدؤں کا جو حال ہو گا معلوم ہے:

﴿۲۶۷﴾ آشنا را حال این ست، وائے بر بیگانہ

انہوں نے ہمین سے چائے پینا تو سکھ لیا مگر اور چھپ کر نہ سکے۔ اول تو ہندوستان اور سلوون کی سیاہ پتی ان کے ذوق چائے نوٹی کا ملٹھائے کمال ہوا۔ پھر قیامت یہ ہے کہ اس میں بھی ٹھنڈا اور دودھ ڈال کر اسے یک ٹلم گندہ کر دیں گے۔ ہر یہ تم ظرفی دیکھیے کہ اس گندے شرب کی معیار بخوبیوں کے لیے ماہرین فن کی ایک پوری فوج موجود ہتی ہے۔ کوئی ان زیان کاروں سے پوچھئے کہ اگر چائے نوٹی سے مقصود انی بخوبیوں کو گرم پانی میں ڈال کر پی لیتا ہے تو اس کے لیے ماہرین فن کی وقید بخوبیوں کی کیا ضرورت ہے؟ جو پتی بھی پانی کو سیاہی مائل کر دے اور ایک تیز بو پیدا ہو جائے چائے ہے اور اس میں ٹھنڈے دودھ کا ایک چھپ ڈال کر کافی مقدار میں گندگی پیدا کر دی جاسکتی ہے۔ چائے کا ایک ماہر فن بھی اس سے زیادہ کیا خاک بتائے گا؟

ہیں بھی کہنے کو وہ بھی، اور کیا کہنے کو ہیں؟ ۲۷

اگرچہ فرانس اور بیانظیر میں زیادہ تر رواج کافی کا ہوا، تاہم اعلیٰ طبقہ کے لوگ چائے کا بھی شوق رکھتے ہیں اور ان کا ذوق بہر حال اگر بیرون سے بدر جہا بہتر ہے۔ وہ زیادہ تر چینی چائے میں گے اور اگر سیاہ چائے میں گے بھی تو اکثر غالتوں میں بغیر دودھ کے یا یہ میوں کی ایک قاش کے ساتھ جو چائے کی لطافت کو نقصان نہیں پہنچاتی بلکہ اور بخمار دیتی ہے۔ یہ میوں کی ترکیب دراصل روپ، ترکستان اور ایران سے چلی۔ سرقدار اور بخارا میں عام دستور ہے کہ چائے کا تیسرا فیلان یہ ہوگا۔ بعض ایرانی بھی دور کا خاتمه یہ ہوئی ہی پر کرتے ہیں۔ یہ بخت دودھ کی آفت توہرف اگر بیرون کی لاکی ہوئی ہے:

﴿۳۸﴾ سراس فتنہ ز جائید کہ من ی دام ۲۸

اب ادھر اک اور نی مصیبت پیش آگئی ہے۔ اب سک تو صرف شکر کی عام حرمی کے استعمال کا رونا تھا لیکن اب معاملہ صاف گڑک ہنچنے والا ہے۔ ہندوستان قدیم میں جب لوگوں نے گڑ کی منزل سے قدم آگے بڑھانا چاہا تھا تو یہ کیا تھا کہ گڑ کو کسی قدر صاف کر کے لال شکر بنانے لگتے ہے۔ یہ صفائی میں سفید شکر سے منزلوں دور تھی مگر ناصاف گڑ ۲۹ سے ایک قدم آگے کل آئی تھی۔ پھر جب سفید شکر عام طور پر بننے لگی تھی تو اس کا استعمال زیادہ تر دیہاتوں میں محدود رہ گیا لیکن اب پھر دنیا اپنی ترقی مکملوں میں اسی طرف لوٹ رہی ہے جہاں سے سیکروں برس پہلے آگے بڑھی تھی۔ چنانچہ آج تک امریکہ میں اس لال شکر کی بڑی مانگ ہے۔ وہاں کے اہل ذوق کہتے ہیں کافی بغیر اس شکر کے ہر نہیں دیتی اور جیسا کہ قاعدہ مقرر ہے، اب ان کی تقلید میں یہاں کے اصحاب ذوق بھی ”براؤن شوگر“ کی صدائیں بلند کرنے لگے ہیں۔ میری یہ میشین کوئی لکھ رکھیے کہ عنتریب یہ براؤن شکر کا بہلا سا پر دہ بھی اٹھ جائے گا اور صاف صاف گڑ کی مانگ ہر طرف شروع ہو جائے گی۔ یاران ذوق جدید کہنی گے کہ گڑ کے ڈالے ڈالے بغیر نہ چائے ہرہ دیتی ہے نہ کافی۔ فرمائیے اب اس کے بعد ہاتھی کیا ہے جس کا انتظار کیا جائے؟

﴿۳۹﴾ وائے گر دریں امروز یو د فرداۓ ۳۰

شکر اور گڑ کی دنیا میں اس وجہ ایک دوسرے سے مختلف واقع ہوئی ہیں کہ آدنی

ایک کا ہو کر پھر درسے کے قابل نہیں رہ سکتا۔ میں نے دیکھا ہے کہ جن لوگوں نے زندگی میں دو چار مرتبہ بھی گڑ کھالیا، شکر کی لٹافت کا احساس پھر ان میں باقی نہیں رہا۔ جواہر لال چونکہ محسوس کے بہت شائق ہیں، اس لیے گڑ کا بھی شوق رکھتے ہیں۔ میں نے یہاں ہزار کوشش کی کہ شکر کی نعمیت کا یہ فرق جو میرے لیے اس وجہ نمایاں ہے انہیں بھی محسوس کراؤں لیکن نہ کر سکا اور بالآخر تھک کے رہ گیا۔ بہر حال زمانہ کی حقیقت فراموشیوں پر کھاں بک ماتم کیا جائے:

(۲۶۰) کوئندہ توں کرد کہ ایں قصہ درازست۔

آئیے، آپ کو کچھ اپنا حال سناؤں۔ اصحاب نظر کا قول ہے کہ حسن اور فن کے معاملہ میں حب الوطنی کے جذبہ کو خل نہیں دینا چاہیے:

(۲۶۱) حاتع نیک، ہر دُکان کے باشد
پُر عل کرنا چاہیے۔ چنانچہ میں بھی چائے کے باب میں شاہد ان ہند کا نہیں،
خوبی ان جنین کا معتقد ہوں:

(۲۶۲) دوائے درو دل خود ازاں مفرح جوئے
کہ در صراحی چنی و شیشه طبی سست

میرے جنرا فی میں اگر جنین کا ذکر کیا گیا ہے تو اس لیے نہیں کہ جزل چنگ کا کل
فک (۲۶۳) اور میڈم چنگ کوہاں سے آئے تھے، بلکہ اس لیے کہ چائے وہیں سے آتی ہے:
مع صافی زفرگ آید و شاہد ز تار
ما نداشم کو بسطاء و بندادے ہست

ایک مدت سے جس چنی چائے کا عادی ہوں وہ وہاں کھیسن (White Jasmine) کہلاتی ہے۔ یعنی "یاسکین غیدہ" یا ٹھیٹ اردو میں یوں کہیے کہ "گوری چنیل"؛

کے کہ محروم راز سبا ست سے دا نہ

(۲۶۴) کہ باوجود خراں بوئے یا سکن باقی سست
اس کی خوبیوں قدر لطیف ہے، اتنا ہی کیف مخدود تیز ہے۔ رنگت کی نسبت کیا
کہوں؟ لوگوں نے آتش سیاں کی تجیر سے کام لیا ہے:

۲۶۵) سے میان ہیوہ ساقی گھر
آتئے گوا پہ آب آکوہ اند ۲۷

لیکن آگ کا خیل پھر ارضی ہے اور اس چائے کی علویت پھوڑا رچا ہتی ہے میں
سورج کی کروں کوٹھی میں بند کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ یوں سمجھئے، جیسے کسی
نے سورج کی کرنسی حل کر کے ہماریں فیبان میں گھول دی ہوں۔ مسلمان از مردانی صاحب
مُت خان نے اگر یہ چائے پی ہوئی تو خانخانہ کی خاتمة ساز شراب کی مدح میں ہر گز پیدا کرتا

۲۶۶) نہ می ماندais بادہ اصلہ پہ آب
تو گوئی کہ حل کردہ اند آناتب

لڑائی کی وجہ سے جہاڑوں کی آمدورفت بند ہوئی تو اس کا اثر چائے پر بھی پڑا۔ میں
کلکتہ کے جس جنینی اسٹور سے چائے مٹکوایا کرتا تھا، اس کا ذخیرہ جواب دینے لگا تھا۔ پھر بھی
چڈڑ بپل گئے اور بعض جنینی دوستوں نے بطور تحدی کے بھی بیجیج کر چاہ سازی کی تھی۔ جب
کلکتہ سے لکھا تو ایک ڈپر ساتھ تھا۔ ایک گھر میں چھوڑ آیا تھا۔ کہنے سے کہ فرار کر کے یہاں لایا
گیا تو سامان کے ساتھ وہ بھی آگیا اور پھر قبیل اس کے کشمکش ہو گھر والا ڈپر بھی بھٹک گیا۔ اس
طرح یہاں اور چیزوں کی کتنی ہی کمی محسوس ہوئی ہو گیں چائے کی کمی محسوس نہیں ہوئی اور اگر
چائے کی کمی محسوس نہیں ہوئی تو نتیجہ یہی لکھا ہے کہ کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوئی:

حافظا ڈگرچہ می طلبی از فیض دہر؟

۲۶۷) می خوری و طرزہ ولداری کشی ۱۳

اس کی ٹھکر کمی نہیں ہوئی کہ یہ آخری ڈپر چلے گا کب تک؟ کیونکہ خواہہ شیراز کی
موعظت ہمیشہ پیش نظر رہتی ہے:

۲۶۸) ہاساگرت پرست، بنو شان و نوش کن ۱۴
یہاں ہمارے زمانہ نوں کے قابل میں اس جنس کا شناسا کوئی نہیں ہے۔ اکثر
حضرات دودھ اور دہی کے شائق ہیں اور آپ سمجھ سکتے ہیں کہ دودھ اور دہی کی دنیا چائے کی
دنیا سے کتنی دور واقع ہوئی ہے؟ عمر گزر جائیں پھر بھی یہ سافت ملے نہیں ہو سکتی کہاں
چائے کے ذوق الطیف کا شہرستان کیف دسر و رار کہاں دودھ اور دہی کی ٹھکر بھری کی گھری!

اک عمر چاہیے کہ گوارا ہوئیں عشق
رکھی ہے آج للاستِ زخم جگر کہاں؟^{۲۷۸}

جو اہر لال بلا شہر چائے کے عادی ہیں اور چائے پینے بھی ہیں، خواصِ یورپ کی
ہم شربی کے ذوق میں بغیرِ دودھ کی؛ لیکن جہاں تک چائے کی نعمت کا تعلق ہے شاہراہ
عام سے باہر قدم نہیں نکال سکتے اور اپنی لیسجو ویسجو^{۲۷۹} کی قسم پر قانع رہتے ہیں۔
ظاہر ہے کہ اسی حالت میں ان حضرات کو اس چائے کے پینے کی رحمت دینا نہ صرف بے
سودقا، بلکہ "وضعِ اٹھنی فی غیرِ محلہ" کے حکم میں داخل تھا:

میں پہ نہاد مکن عرضہ کہ ایں جو ہر ناب
میں ایں قوم پہ شورلہ زرم نہ رسد^{۲۸۰}

ان حضرات میں سے صرف ایک صاحب ایسے تکلیف جنہوں نے ایک مرتبہ
میرے ساتھ سفر کرتے ہوئے یہ چائے لی تھی اور محسوس کیا تھا کہ اگرچہ بغیرِ دودھ کی ہے مگر
آجھی ہے: یعنی بہتر چیز تو ہی دودھ والا گرم شربت ہوا جو دہ روز پہاڑ کرتے ہیں مگر یہ بھی
چند اس بھی نہیں۔ زمانے کی عالمگیر خیرِ مذاقی دیکھتے ہوئے یہ ان کی صرف "آجھی ہے" کی
داد بھی مجھے اتنی غیمت معلوم ہوئی کہ کبھی بھی انہیں نکالی کرنا تھا کہ آئیے، ایک پیالی اس
"آجھی ہے" کی بھی لپی لیجیے:

عمرتِ دداز پاؤ کہ ایں ہم غیرت است!
ان کے لیے یہ صرف آجھی ہوئی۔ یہاں چائے کا سارا معاملہ ہی ختم ہو چائے اگر
یہ "آجھی ہے" ختم ہو چائے۔ غالب کیا خوب کہہ گیا ہے:

زامہ ازما خوش تا کے بہ چشم کم نہیں
ہیں، نمی دالی کہ یک یادانہ تھان کروہ ایم^{۲۸۱}

مگر ایک ڈپہ کب تک کام دے سکتا تھا؟ آخ ختم ہو جانے پر آیا۔ جو عہد خان نے
یہاں دریافت کرایا، پونا بھی لکھا، لیکن اس حتم کی چائے کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ اب کہنے اور
کلکتے کھوایا ہے ویکھنے کیا تجھے لکھتا ہے، ایک ہفتہ سے وہی ہندوستانی سیاہ پتی پر رہا ہوں اور
مستقبل کی امیدوں پر جی رہا ہوں:

نہ کتنی چارہ لب خلک سملانے را
اے پرنسا بیچگان کر دئے ناب سنبل!^{۲۸۲}

آج کل جتنی ہندوستان کے تمام شہروں میں بھیل گئے ہیں اور ہر جگہ جتنی ریسٹوران مکمل گئے ہیں۔ چونکہ احمد گریزی فوج کی بڑی چھاؤنی ہے، اس لیے یہاں بھی ایک جتنی ریسٹوران مکمل گیا ہے۔ جیلو کو خیال ہوا کہ ان لوگوں کے پاس یہ چائے ضرور ہو گی۔ اس نے خالی ڈپا بیچ کر دیاافت کرایا۔ انہوں نے فتاویٰ دیکھتے ہی کہا کہ یہ چائے اب کہاں مل سکتی ہے؟ تین چھین بیڈا کہاں سے ملا؟ اور اس چائے کی یہاں ضرورت کیا ہیں آئی؟ کیا جتنی کا کوئی بڑا آدمی یہاں آ رہا ہے؟ جو وارد ہازار گیا تھا اس نے ہر چند باتیں ہنا کیں مگر ان کی شفی نہیں ہوئی۔ دوسرا دن سارے شہر میں یا فواہ بھیل گنی کر میڈم چنگ کا ایک تکمیر کے قیدیوں سے ملنے آ رہی ہے، اور اس کے لیے جتنی چائے کا اہتمام کیا جا رہا ہے:

پہ نہیں نقش الہماچہ باطل آنادرست!^{۲۸۳}

چائے کے ذہنے کی تدھیں ہیش کچھن کچھ بیوں کا چورا بینہ جایا کرتا ہے اور اسے ڈبے کے ساتھ پھیک دیا کرتے ہیں۔ یا آخری ڈبا ختم ہونے پر آیا تو تھوڑا سا چورا اس کی تدھیں جمع تھا۔ میں نے چھوڑ دیا کہ اسے کیا کام میں لاؤں لیکن چوتھے خال نے دیکھا تو کہا، آج کل لڑائی کی وجہ سے ”ضائع مت کرد“ کا نزہ زبانوں پر ہے، یہ چورا بھی کیوں نہ کام میں لایا جائے؟ میں نے بھی سوچا کہ:

پہ درد و صاف تر احکم نیت دم درکش

کہ ہر چہ ساتی ماریخت میں الاف است!^{۲۸۴}

چنانچہ چورا بھی کام میں لاایا گیا اور اس کا ایک ایک ذرہ دم دے کر پتارا۔ جب فیلان میں چائے ڈالتا تھا، تو ان ذرتوں کی زبان حال پکارتی تھی:

ہر چند کہ نیت رنگ و بونم

آخر نہ گیاہ باخ اویم!^{۲۸۵}

اس تھیل نے کہ ان ذرتوں کے ہاتھ سے کیف و سرور کا جام لے رہا ہوں، تو سن گلر کی جوانیوں کے لیے تازیانہ کا کام دیا اور اچانک ایک دوسرے ہی عالم میں پہنچا دیا۔ ہا۔

مرزا بیدل نے میری زبانی کہا تھا:

اگر دماغم دریں شبستان، خاور شرم عدم تکید
زخمگی ذرا جام گیرم، پ آس گھو ہے کہ جم تکید
﴿۲۸۶﴾

دریں قلمرو کف غبارم، پ چھ کس ہمسری ندام
کمال میزان انتشارم بس ست کز ذرا کم تکید

اس تجربے کے بعد بے اختیار خیال آیا کہ اگر ہم تھنڈ کاموں کی قسمت میں اب سر جوش خم کی کیفیتیں نہیں رہیں تو کاش اس دھیونہ ناصاف ہی کے چند گھونٹ مل جایا کریں، غالب نے کیا خوب کہا ہے:

کہتے ہوئے ساتی سے جی آتی ہے، ورنہ

لول ہے کہ مجھے درود جہو جام بہت ہے

ہر کے مسئلے نے بھی یہاں آتے ہی سر اخیا تھا، مگر مجھے فوراً ہی اس کا حل مل گیا، اور اب اس طرف سے مطمئن ہوں۔ موٹے داؤں کی صاف ہر تھوڑی ہی میرے سفری سامان میں تھی جو کچھ دنوں تک چلتی رہی۔ جب ختم ہو گئی تو میں نے خیال کیا کہ یہاں ضرور مل جائے گی۔ نہیں تھی تو ڈیلوں کے بکس تو ضرور مل جائیں گے؛ لیکن جب بازار میں دریافت کرایا تو معلوم ہوا اس کے وقت میں بھی یہاں ان چیزوں کی مانگ نہ تھی اور اب کہ جگ کی رکاؤں نے راہیں روک دی ہیں، ان کا سرانگ کھاں ل سکتا ہے؟ مجہوراً مصری مانگوائی اور چاہا کہ اسے کٹوا کر ہر کی طرح کام میں لاوں لیکن کوئی نہ کیے لیے ہاون کی ضرورت ہوئی۔ جیل سے کہا: ایک ہاون اور ہاون دستہ مانگوادیا جائے۔ دوسرے دن معلوم ہوا کہ یہاں نہ ہاون ملتا ہے نہ دستہ۔ حیران رہ گیا کہ کیا اس بحثی میں کبھی کسی کو اپنا سر پھوڑنے کی ضرورت نہیں تھیں آتی؟ خلود کیسے زندگی برکرتے ہیں؟

حدیث عشق چہ داند کہ درہ میر

﴿۲۸۷﴾ پ سر نہ کفت پاشد در سرائے را

مجہوراً میں نے ایک دوسری ترکیب لائی۔ ایک صاف کپڑے میں مصری کی ڈلیاں رکھیں اور بہت ساروں کی کاغذ اور تیل دھر دیا۔ پھر ایک پھر اٹھا کر ایک قیدی کے حوال

کیا، جو یہاں کام کا ج کے لیے لا یا گیا ہے کہ اپنے سر کی جگہ سے پوچھتے
دریں کہ کوہن از ذوق داد جاں چہ ختن؟
﴿۲۸۸﴾ ہمیں کہ پیشہ بر سر دیر زدن ختن باقی ست
لیکن یہ کرتا ر آلات و وسائل بھی پوچھتا ہے:

سرگشت خار رسم و قود تھا !^{۵۸}

کہ ایک چوتھی ترینہ کی نہ لگا سکا۔ مصری تو لکھنے سے رہی۔ البتہ کاغذ کے
پر زے پر زے اڑ گئے اور کپڑے نے بھی اس کے روئے صفحی کتاب بننے سے انکار کر دیا:
چلی تھی بر جھی کسی پر کسی کے آن گلی !^{۵۹}

بہر حال کئی دنوں کے بعد خدا کر کے ہاؤں کا چہرہ رشت نظر آیا۔ ”رشت“
اس لیے کہتا ہوں کہ بھی اسی انگریز طرف نظر سے نہیں گزرتا تھا۔ آج کل ہاٹانے ایک کتاب
شائع کی ہے۔ یہ خبر دیتی ہے کہ ہزاروں برس پہلے وسط ہند کے ایک قبیلے نے ملک کو لو ہے
اور لوہاری کی صنعت سے آشنا کیا تھا۔ عجب نہیں یہ ہاؤں بھی اسی قبیلے کی دست کاریوں کا
بعیہ ہوا اور اس انتظار میں گردشی لیں ونہار کے دن گنثا رہا ہو کہ کب قلعہ احمد گر کے زمانہ نہیں کا
قا قلعہ یہاں پہنچتا ہے اور کب ایسا ہوتا ہے کہ انہیں سر پھوڑنے کے لیے یہشکی جگہ ہاؤں دست
کی ضرورت پیش آتی ہے:

شوریدگی کے ہاتھ سے سر ہے وہاں دوش

صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں^{۶۰}

خیر کچھ ہو، مصری کوئے کی راہ نکل آئی، لیکن اب کئی ہوئی مصری موجود ہے تو وہ

چھپو جو نہیں جس میں مصری ڈالی جائے:

﴿۲۸۹﴾ اگر دستے کنم بیدا، نہی یا بم گریاں رائے
دیکھیے صرف اتنی بات کہنی چاہتا تھا کہ چائے ختم ہو گئی، مگر باعیسی صفحے تمام ہو چکے
اور ابھی تک بات تمام نہیں ہوئی:

کیک حرف پیش نیست سراسر حدیث شوق

﴿۲۹۰﴾ اس طرف تر کہ پیچہ پایاں نہیں رسدا۔^{۶۱} ابوالکلام